© rasailojaraid.com

کئی دماغوں کا ایک انساں......!

حافظ اخلاق احمد

ایک ہمہ جہت شخصیت، ایک شفیق استاد، نامور ادیب اور محقق جامعہ ام القریٰ مکہ مکرمہ کے پروفیسر سید محمد ذوالکفل بخاری بے شمار خفیہ اور ظاہری خوبیوں کے مالک تھے۔ ۱۵/نومبر ۲۰۰۹ء کی شام وہ ہم سب کو افسردہ چھوڑ گئے۔ اللہ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی آخرت کو ان کی دنیا سے بھی کئی گنا بہتر فرمائے اور انھیں اپنے جوار میں اعلیٰ علّیین میں مقام عطا فرمائے۔ آمین۔

آج میں جب ان کی شخصیت پر لکھنے کے لیے قلم تھامے بیٹھا ہوں تو ایک سرخ سپید چہرہ، سر پر ہمہ وقت ٹوپی، کشادہ پیشانی، عینک کے پیچھے ہنستی مسکراتی اور چمک دار آنکھیں، ذہانت کی غمازی کرتی ہوئیں، تکلم کے وقت ہنستا مسکراتا چہرہ، باتوں میں گہرائی اور ٹھہراؤ کے ساتھ شگفتگی، الفاظ کے استعمال میں مہارت رکھنے والا، سنجیدہ اوقات میں بھی تلخابِ حیات سے مکدّر نہ ہونے والا جامِ اخلاق، حلقہ یاراں میں بریشم، علم کے بحر بیکراں، تحریر کا ایک ایک حرف اپنی جگہ ایسا سجا دیتے گویا ایک بہترین صنّاع نے تراش خراش کے تمام تقاضے پورے کر کے ہر پتھر کو مناسب جگہ دی ہو، ایسی عظیم ہستی کا چہرہ میرے سامنے سے ہٹتا ہی نہیں۔

ان کی وفات سے اعلائے کلمۃ اللہ کی جدوجہد میں مشغول افراد کی صفوں میں جو خلا پیدا ہوا ہے، اس کو آنے والے وقت میں پُر کرنا اتنا آسان نہ ہوگا۔ ایسے لوگ روز روز پیدا نہیں ہوتے، ذوالکفل شاہ جی کا شمار ایسے لوگوں میں ہوتا ہے جنھوں نے تحقیق ومطالعہ کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا تھا اور عشق کی حد تک اس سے وابستگی اختیار کی تھی، قدرت نے شاہ جی کو زرخیز ذہن دے کر بھیجا تھا جس کا اندازہ ان کی تحاریر سے بخوبی معلوم ہوتا ہے۔

شاہ جی کی طبع میں لطافت کے ساتھ متانت اور سنجیدگی بھی بہت تھی۔ وہ تہذیب اور شائستگی کے پیکر تھے۔ ان کی شخصیت میں ایسی جاذبیت اور سحر تھا جو اوروں کو ان کی طرف متوجّہ ہونے پر مجبور کر دیتا۔ شاہ جی کے شبانہ روز مطالعہ اور مشاہدے کی اعلیٰ صلاحیتوں نے انھیں اپنے ہم عصروں سے یگانہ اور منفرد بنا دیا تھا۔ ان کی قابلیت اور علمیت دوسروں پر اثر چھوڑتی تھی۔ باتوں باتوں میں مشکل عقدے حل کرنے کا ان کو فن آتا تھا۔ وہ لمبی لمبی باتوں اور تمہید سے احتراز کرتے ہوئے اختصار کو اپناتے اور اپنا مدعا بیان کرنے میں ایسی مہارتِ تامہ رکھتے تھے کہ سننے والوں کو کہیں بھی تشنگی کا احساس نہ ہوتا۔ مزید برآں شاہ جی کے لطیف فکاہاتی ذوق نے ان کی مجلس کی رونق میں حد درجہ اضافہ کیا ہوا تھا۔ یہ ان کی شخصیت کی ایک نمایاں خوبی تھی۔ وہ زاہد خشک نہ تھے، بلکہ ہنسنے ہنسانے والے اور باتوں کو لطیف پیرائے میں بیان کرنے والے شخص تھے۔ اُنھیں برجستہ جواب دینے اور پھبتی کسنے کا ہنر بھی خوب آتا تھا، لیکن یہ پھبتی پھکڑ بازی نہ ہوتی تھی اور نہ ہی تہذیب سے گری ہوئی نہ ہوتی تھی۔ نہ ہی اس کا مقصد اوروں کی تضحیک وتذلیل ہوتا تھا، بلکہ ان کا مقصد اول وآخر طبیعت میں بشاشت پیدا کر کے لطیف طریقے سے اپنی حالت کی طرف توجہ دلانا ہوتا تھا، اور وہ اس میں پوری طرح کامیاب رہتے تھے۔

شاہ جی کے اخلاق حسنہ نے اوروں کے دلوں کو تسخیر کرنے اور ان کو اپنا بنانے میں ایک اہم کردار ادا کیا تھا۔ ان کے اندر پائی جانے والی فطری ہمدردی، انس اور پیار نے بھی ایک عالم کو ان کے قریب کر دیا تھا۔ شاہ جی کی انھی خصوصیات نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زندگی کے اس سفر میں ہر مکتبِ فکر کے لوگوں کو متاثر کیا اور ان کے دلوں پر باقی رہنے والے اچھے اثر چھوڑے۔ اُن کے طرزِ زیست کا اصل الاصول یہ رویّہ تھا کہ زندگی کا ہر پل اور ہر لحمہ قیمتی ہے، اس کو کسی نہ کسی کام میں صرف کیا جائے اور زندگی کو لایعنی سرگرمیوں سے دور رکھا جائے۔

شاہ جی کو تمام مکاتب فکر، نظریے، عقائد اور نقطۂ نظر کے حامل لوگوں سے قربت حاصل تھی۔ اس ضمن میں ان کا دل ہر قسم کی کدورتوں، نفرتوں اور کینہ وحسد سے پاک تھا۔ وہ انسان کی بحیثیت انسان، تکریم کے بھی قائل تھے۔ انھوں نے اپنے دل میں کبھی کسی کے لیے کھوٹ اور میل نہیں رکھا۔ اسی وجہ سے تمام لوگ شاہ جی کا ہمیشہ احترام کرتے تھے۔

شاہ جی کی شائع شدہ تحریرات میں بلا کی شگفتگی کے ساتھ روانی اور بہاؤ محسوس ہوتا ہے۔ اُن کا اسلوب دلنشیں اور قلوب کو بہا جانے والا ہے۔ شاہ جی ایک محقق، اور مفکر کے ساتھ ساتھ ایک بہترین شاعر بھی تھے، جس کا اندازہ آپ ان کی نظمیں پڑھ کر بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں خصوصاً شاہ جی کی وہ نظم جو کتبہ کے نام سے موسوم ہے۔

وہ جب بھی پاکستان آتے اور اپنے محبین سے فرصت پا کر کبھی دار بنی ہاشم کے صحن میں بیٹھتے تو ہماری کوشش ہوتی کہ جتنا ہو سکے شاہ جی کی صحبت اختیار کریں۔ ہم سب دوست ایک ساتھ شاہ جی کی مجلس میں بیٹھتے اور شاہ جی کی باتوں سے خوب مستفید ہوتے۔ ہم دوستوں کی ایک مختصر سی جماعت الیاس میراں پوری، سید صبیح الحسن ہمدانی، سید عطاء المنان بخاری، علی مردان قریشی، نعمان احمد سنجرانی، محمد طیب معاویہ، عبدالباسط، سراقہ قریشی، محمد طارق اور محمد سلیمان یمنی پر مشتمل ہوتی۔ اور ہم میں سے ہر ایک شاہ جی سے گفتگو کرنے میں خوب اشتیاق رکھتا تھا۔ یہ گفتگو کسی ایک موضوع پر منحصر نہ ہوتی بلکہ مختلف موضوعات پر مبنی ہوتی جن میں ''فقہ، تصوّف، فلسفہ، ادب، منطق، جغرافیہ، معاشیات'' وغیرہ شامل ہوتے۔ اگرچہ ہر نشست کا لبِّ لباب یہ ہوتا کہ وہ ہم سب کو کشاکشِ حیات میں آگے اور بالاتر دیکھنا چاہتے ہیں۔ شاہ جی ہر موضوع پر اس طرح گفتگو فرماتے گویا کہ ہمیں کتاب پڑھ کے سنا رہے ہوں۔ شاہ جی کی یہ گفتگو ہر دوست کے ساتھ اسی کی طبعیت کے موافق اور اکثر اُس کی علاقائی زبان میں ہوتی تھی۔

شاہ جی کے ساتھ گزری ہوئی وہ مجالس اور شاہ جی کے سنائے ہوئے اشعار اب بھی میرے ذہن میں موجود ہیں اس عاجز نے شاہ جی سے شرفِ تلمذ بھی حاصل کیا اور نیاز مندوں جیسی عقیدت رکھتے ہوئے دوستوں جیسی توجہ اور نوازشات بھی حاصل کیں۔ ان کی اقتدا میں نماز جیسا اہم فریضہ ادا کرنے کا موقع بھی ملا اور ان تمام مقامات میں اُن کی انفرادیت واضح طور پر نظر آئی۔

شورش کاشمیری مرحوم نے مولانا ابوالکلام آزاد کی قبر پر جو تاریخی مرثیہ پڑھا اس کا مصداق ہر وہ شخص ہے جو مولانا ابوالکلام آزاد جیسی خوبیوں سے آراستہ ہو اور شاہ جی کے لیے ہمارے ذہنوں میں سوائے مولانا ابوالکلام آزاد کے کوئی تشبیہ نہیں ہے۔

عجب قیامت کا حادثہ ہے، کہ اشک ہیں آستیں نہیں ہے
زمیں کی رونق چلی گئی ہے، اُفق پہ مہرِ مُبیں نہیں ہے
کئی دماغوں کا ایک انساں، میں سوچتا ہوں کہاں گیا ہے
قلم کی عظمت اجڑ گئی ہے، زباں سے زورِ بیاں گیا ہے
اتر گئے منزلوں کے چہرے، امیر کیا کارواں گیا ہے

تری جُدائی میں مرنے والے، وہ کون ہے جو حزیں نہیں ہے
مگر تری مرگِ ناگہاں کا مجھے ابھی تک یقیں نہیں ہے

© rasailojaraid.com